Tarjihaat
Volume: 1II
Issue: I
June 2022
جنوری ۲۰۲۳
Jan 2023
ترجیحات
ISSN: 2583-0082

ڈاکٹر شمس بدایونی

۵۸، نیوآزادپرم کالونی، عزت نگر، بریلی-243122

غالب تحقیقی مقدمات کے تناظر میں

اردو ادب میں مقدمہ نویسی کا آغاز غالباً مولانا الطاف حسین حالی (ف۱۹۱۴ء) سے ہوا۔ ''مقدمۂ شعر وشاعری'' دراصل حالی کے مجموعۂ کلام کا مقدمہ تھا جو پہلی بار 'دیوان حالی' (مطبوعہ مطبع انصاری، دہلی) کے ساتھ دہلی سے ۱۸۹۳ء میں شائع ہوا تھا۔ اپنی بے پناہ افادیت، مقصدیت اور ایک نئے قسم کے شعریاتی مطالعے کی جہت اور اصول طے کرنے کے سبب، اس نے علاحدہ کتابی صورت میں اشاعت کی راہ ہموار کی اور تب سے آج تک یہ اردو تنقید کے منشور کے طور پر ادب کے طالب علموں کے زیر مطالعہ رہتا ہے۔

حالی کے بعد باقاعدہ ایک نثرپارے کے طور پر مقدمہ کو مقبول عام بنانے اور استحکام دینے میں مولوی عبدالحق (ف۱۹۶۱ء) کے لکھے مقدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ وہ انجمن ترقی اردو کے سکریٹری (۱۹۱۲ تا ۱۹۴۷ء) اور تقسیم ہند کے بعد انجمن ترقی اردو پاکستان کے تاحیات (۱۹۴۹ء-۱۶؍اگست ۱۹۶۱ء) صدر رہے۔ اُس وقت یہ واحد ادارہ تھا جو علم وادب کی معیاری کتب نئے طور تحقیق و تنقید سے مرتب و مدون اور ترجمہ کرا کر شائع کر رہا تھا۔ اسی دوران مولوی صاحب نے کچھ اپنی مرتبہ و مولفہ اور کچھ انجمن کی جانب سے لکھوائی گئیں کتب اور بعض معاصرین کی کتابوں پر فرمائشی مقدمات لکھے، جن کی مجموعی تعداد ۵۷ ہے۔ انھوں نے پہلا مقدمہ مولوی ظفر علی خاں (ف۱۹۵۶ء) کی کتاب ''جنگ روس و جاپان'' پر لکھا۔ مکتوبہ ۱۵؍نومبر ۱۹۰۵ء اور آخری مقدمہ قاموس الکتب اردو جلد اول (انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی ۱۹۶۱ء) پر لکھا۔ مکتوبہ ۲۲؍جون ۱۹۶۱ء؛ گویا ۵۷ سال میں ۵۷ مقدمات لکھے۔ ان کے لکھے ہوئے مقدمات نے علم

وادب کی فضا کو منور کر دیا اور چہار جانب علم وادب سے شغف کے نظارے دیکھنے کو ملنے لگے۔ ان مقدمات میں کتاب، صاحب کتاب اور موضوع کتاب کی اہمیت و قدر و قیمت کو کچھ اس انداز سے پیش کیا جاتا تھا کہ قاری، مقدمہ پڑھ کر کتاب سے استفادے کو خود پر فرض تصور کر لیتا تھا اور کتاب کے مطالعے میں مستغرق ہو جاتا تھا۔

ابتدا میں مقدمات، تعارفی، علمی اور تنقیدی ہوتے تھے۔ جیسے جیسے کلاسیکی کتب کے متون مرتب کرنے کی روایت پروان چڑھی، مقدموں کا انداز اور اسلوب بدلتا گیا اور جب متن مرتب کرنا باقاعدہ ایک فن قرار پایا اور اسے ایک مستقل نام ترتیب متن، تدوین متن یا متنی تنقید دے کر ادبی تحقیق سے ممیز کر دیا گیا، تب مقدمہ، تدوین متن کا ایک جزو لاینفک بن گیا۔ اس طور تحقیقی وتدوینی مقدمات کا ظہور ہوا۔ حافظ محمود شیرانی (ف۱۹۴۶ء)، مولانا امتیاز علی خاں عرشی (ف۱۹۸۱ء)، قاضی عبدالودود (ف۱۹۸۴ء)، سید مسعود حسن رضوی ادیب (ف۱۹۷۵ء)، مالک رام (ف۱۹۹۳ء)، کالی داس گپتا رضا (ف۲۰۰۱ء)، رشید حسن خاں (ف۲۰۰۶ء) وغیرہ وغیرہ کے مقدمات بیشتر تدوین متن ہی سے متعلق ہیں اور ان کی نوعیت اُن مقدمات سے جداگانہ ہے، جو محض صاحب کتاب کا علمی وادبی تعارف کرانے اور اس کو وقار وامتیاز عطا کرنے کے لیے لکھے جاتے تھے مثلاً: نشاط روح مصنفہ اصغر گونڈوی پر مرزا احسان احمد اعظم گڑھی کا مقدمہ، باقیات فانی مصنفہ فانی بدایونی پر رشید احمد صدیقی کا مقدمہ، ریاض رضواں مصنفہ ریاض خیرآبادی پر مولوی سید سبحان اللہ رئیس گورکھپوری کا مقدمہ، دنیائے تبسم مصنفہ شوکت تھانوی پر پروفیسر رشید احمد صدیقی کا مقدمہ وغیرہ۔

یادش بخیر! غالب اکیڈمی دہلی نے ۲۷؍دسمبر ۲۰۰۵ء کو غالب کے ۲۰۸ویں یوم پیدائش کے موقع پر غالب توسیعی خطبے کا اہتمام کیا۔ خاکسار نے یہ خطبہ بہ عنوان 'غالب تنقیدی مقدمات کے تناظر میں' پیش کیا تھا۔ اس میں مرزا کے کلام، شخصیت اور فکر وفن پر جو مقدمات تحریر کیے گئے تھے ان کو موضوع بناتے ہوئے تین ممتاز مقدمات پر گفتگو کی تھی۔ مقدمۂ عبدالرحمن بجنوری [مکتوبہ پیشتر نومبر ۱۹۱۸ء]، مقدمۂ سید محمود غازی پوری [مکتوبہ ۱۵؍اکتوبر ۱۹۱۹ء]، مقدمۂ شاکر حسین نکہت سہسوانی [مکتوبہ ۱۸؍اکتوبر ۱۹۳۱ء]۔

اول الذکر دو مقدموں نے غالب کو ربّ النوع ثابت کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور تیسرے مقدمہ نے غالب کی عظمت کو شعری قواعد وضوابط کی عدم پیروی کی بنیاد پر ہدفِ تنقیص بنایا تھا۔

یہ خطبہ بغور سنا گیا، بعد میں متعدد جگہ شائع ہوا۔ خاکسار کی کتاب ''تفہیم غالب کے مدارج'' (دہلی ۲۰۱۵ء) میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اسی عنوان کو وسعت دیتے ہوئے تازہ ترین مقالہ ''غالب تحقیقی مقدمات کے تناظر میں'' پیش خدمت ہے۔

آج مطالعۂ غالب اور غالبیات محض تنقیدی نظر وخبر سے ممکن نہیں، اب غالب اور غالبیات کا تحقیقی مطالعہ ناگزیر ہے۔ محققین نے جس زیرکی، باریک بینی اور دیدہ سوزی سے غالب کی تصانیف نثر و نظم کو مرتب و مدون کیا ہے، جس تلاش و تفحص سے ان کی سوانح و شخصیت پر کتابیں مرتب وتالیف کی ہیں اس کا تقاضا ہے کہ اس سے استفادہ کیے بغیر کسی تنقیدی نتیجے تک پہنچنے میں عجلت سے کام نہ لیا جائے۔

غالب پر تحقیقی مقدمات کی تعداد کم و بیش دو درجن ہوگی۔ اگر ان تحریروں، جنھیں مقدمہ کے مترادف الفاظ: دیباچہ، تمہید، تقریب اور پیش لفظ وغیرہ سے موسوم کیا گیا ہے کو بھی مقدموں میں شمار کرلیا جائے تو یہ تعداد زیادہ ہوجائے گی۔

خاکسار کی محدود معلومات میں اب تک غالب پر پہلا تنقیدی مقدمہ عبدالرحمن بجنوری نے اور پہلا تحقیقی مقدمہ مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے سپرد قلم کیا ہے۔ مولانا عرشی نے اپنی مرتبہ کتاب ''مکاتیب غالب'' (مطبع قیمہ بمبئی، اول ۱۹۳۷ء) میں سرورق پر کتاب کے نام کے نیچے ''بہ اضافۂ مقدمہ وحواشی'' کا اندراج کیا ہے۔ یہ طویل مقدمہ ۱۷۳ صفحات کو محیط ہے۔ (ص: ۱۱ تا ۱۸۳) لیکن فہرست اور زیر گفتگو مقدمہ کی پیشانی پر لفظ دیباچہ لکھا ہوا ہے۔ راقم الحروف کو شبہ ہوا کہ شاید یہ کمپوزر کی غلطی ہے لیکن ضمنی عنوانات: دیباچہ کی ضرورت (ص: ۱۲) دیباچہ کے مباحث (ص: ۱۳)، ماخذ دیباچہ وحواشی (ص: ۱۴) کی موجودگی یہ ظاہر کرتی ہے کہ مولانا عرشی نے اپنی اس تحریر کو دیباچہ ہی کا عنوان دیا۔ اس تحریر کا آخری جملہ میرے خیال کی تائید کرتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''دیباچہ کے مباحث نے امید کے خلاف کافی وقت لے لیا اس لیے اس عذر کے ساتھ سلسلۂ کلام ختم کرتا ہوں۔ (ص: ۱۸۳) ظاہر ہے اتنے صریح اعلان کے بعد اسے مقدمہ لکھنا اور

سلسلۂ غالبیات کا پہلا تحقیقی مقدمہ قرار دینا شاید درست نہیں ہوگا۔ حالانکہ اپنے محتویات کے لحاظ سے یہ مقدمہ سے ذرا بھی مختلف نہیں۔ اسی طرح کا ایک اندراج ''نادرات غالب'' (کراچی ۱۹۴۹ء) از آفاق حسین آفاق میں بھی نظر سے گزرا جس کے سرورق پر مقدمہ کا اندراج ہے لیکن اندر پیشانی تحریر پر تمہید۔ یہ بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کے ٹائٹل یا سرورق کے ڈیزائن اور اندراجات سے یہ مصنفین ناواقف رہے ہوں؛ لہٰذا یہ قیاس کرنا بھی ایک حد تک درست ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں بزرگ دیباچہ و تمہید کو مقدمہ کا مترادف خیال کرتے ہوئے ان میں کسی امتیاز و فرق کے قائل نہ ہوں۔ واللہ اعلم۔

مالک رام کی کتاب ''ذکر غالب'' (دہلی ۱۹۳۸ء) بھی دراصل ''سبد چیں'' کا دیباچہ تھا، جو طویل ہو جانے کے سبب اس میں شامل نہیں کیا جا سکا۔ علاحدہ کتاب کی شکل میں شائع کیا گیا۔ ذکر غالب طبع پنجم (دہلی ۱۹۷۶ء) میں مالک رام نے اس واقعے کا ذکر کیا ہے (ص:۹) اس سے یہ گمان گزرتا ہے کہ امتیاز علی خاں عرشی اور مالک رام اس وقت تک متن پر تعارفی تحریروں کے لیے لفظ مقدمہ کا استعمال شاید پسند نہیں کرتے تھے۔ خود مولوی عبدالحق کے پہلے مقدمہ کے طور پر جس مقدمہ کو پیش کیا جاتا ہے، اس پر بھی مقدمہ کی جگہ لفظ 'تمہید' ثبت ہے، لیکن مقدمات عبدالحق میں جب یہ شامل کیا گیا تو مولوی عبدالحق نے اسے مقدمات کے تحت شامل کرنے پر اعتراض وارد نہیں کیا۔

[۳]

اس مقالے میں قدرے تفصیلی تعارف و تجزیے کے لیے راقم الحروف کا ہدف شروع میں تین مقدمات تھے:

(۱) مقدمۂ دیوان غالب نسخۂ عرشی، از امتیاز علی خاں عرشی، مکتوبہ یکم دسمبر ۱۹۵۸ء، بعد نظر ثانی، ۲۵ر مارچ ۱۹۷۱ء

(۲) مقدمۂ غالب کے خطوط، از ڈاکٹر خلیق انجم، مکتوبہ ۶ر جنوری ۱۹۸۴ء

(۳) مقدمہ گنجینۂ معنی کا طلسم، از رشید حسن خاں، مکتوبہ ۱۶ر اپریل ۲۰۰۵ء

لیکن مقالے کے طول طویل ہو جانے کے خوف سے صرف ایک مقدمہ ہی تک قلم کو محدود کر لیا۔ قبل اس کے کہ ڈاکٹر خلیق انجم کے تحریر کردہ مقدمہ پر سلسلہ گفتگو شروع کیا جائے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ غالب پر لکھے جانے والے تحقیقی مقدمات کے ارتقائی سفر پر بھی مختصراً گفتگو کر لی جائے۔

غالب پر لکھے جانے والے مقدمات میں پہلا تحقیقی مقدمہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی (ف ۱۹۷۲ء) کا نوشتہ ہے جو مولوی مہیش پرشاد (ف ۱۹۵۱ء) کے مرتبہ ''خطوط غالب'' (ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد ۱۹۴۱ء) پر لکھا گیا، مکتوبہ ۱۰ر مارچ ۱۹۴۱ء۔ عبدالستار صدیقی نے اس مجموعے کے متن کی نظر ثانی اور چھاپے کی نگرانی کی تھی، لہٰذا ان کا حق بنتا تھا کہ وہ اس پر مقدمہ لکھیں۔ ۱۶ صفحات پر مشتمل اس مقدمے میں، متن کی تصحیح، تصحیح کے ماخذ، اغلاط کتابت، روشِ اُملا اور تصحیح کتابت پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ تصانیف غالب میں پائی جانے والی املا اور روش کتابت کی اغلاط کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' غالب کی کوئی تصنیف ان کی نگرانی میں نہیں چھپی۔ زیادہ سے زیادہ کاپی آتی تو وہ بنا دیتے کاپی نویس نہ بناتا۔ غلط الفاظ جوں کے توں رہتے۔ جو لوگ چھاپے کے ذمہ دار تھے انھوں نے ہمیشہ بے پروائی سے کام لیا اور غالب عمر بھر کاتبوں کے ظلم کی فریاد کرتے رہے۔ '')ص:۹(

اس مقدمے کے سارے بیانات متن پر نظر ثانی سے متعلق ہیں۔ عام قاری کے لیے دلچسپ اور معلوماتی حصہ وہ ہے جس میں انھوں نے غالب کے خطوط سے املا سے متعلق ان کی ہدایات و تنبیہات کی مثالیں جمع کر دی ہیں اور ان پر عالمانہ گفتگو کی ہے۔

دوسرا اہم مقدمہ سید مسعود حسن رضوی ادیب کا نوشتہ ہے، جو ان کی کتاب ''متفرقات غالب'' (مطبوعہ ہندوستانی پریس، رامپور ۱۹۴۷ء) میں شامل ہے۔

سید مسعود حسن رضوی ادیب کو اپنے ذاتی کتب خانے میں مخزونہ ایک بیاض میں مرزا کے پانچ مکتوب الیہ کے نام ۴۹ خطوط اور چند منظومات ملیں، جن کا تعلق غالب کے کلکتہ کے دوران قیام سے تھا۔ یہ ایک ایسا نادر معلومات افزا مواد تھا جو غالب کے سفر کلکتہ کے احوال اور متعلقات سفر پر بھرپور روشنی ڈالتا تھا۔ مسعود حسن رضوی نے اسے مع مقدمہ مرتب کر دیا۔ مقدمہ میں بیاض کا تعارف، بیاض میں مندرج خطوط

اور ان کے مکتوب الیہ کے احوال اور مرزا سے ان کے تعلق کی نوعیت، کلکتہ میں پیش آئے معرکے اور بیاض میں موجود کلام پر سیر حاصل گفتگو کرتے ہوئے تفہیم غالب میں اس مواد کی اہمیت کو آشکارا کیا گیا ہے۔ مقدمہ پر تاریخ تحریر کا اندراج نہیں ہے، یہ صفحہ نمبر: ۱۰ سے ۳۳ کو محیط ہے۔ مقدمہ مسلسل ہے، ذیلی عنوانات کا سہارا قطعی نہیں لیا گیا۔

تیسرا قابل ذکر مقدمہ مولوی غلام رسول مہر (ف ۱۹۷۱ء) کا تحریر کردہ ہے۔ انھوں نے یہ مقدمہ اپنی تالیف خطوط غالب جلد اول (کتاب منزل لاہور ۱۹۵۱ء) پر بحیثیت جامع خطوط لکھا تھا۔ مکتوبہ ۱۴ر مئی ۱۹۵۱ء، یہ مقدمہ ۴۹ صفحات کو محیط ہے۔ اسے بغیر کسی تمہید کے ۳۳ ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ترتیب متن سے متعلق صرف چھ عنوانات ہیں، باقی عنوانات کا تعلق غالب کی ادبی و شعری شخصیت، تصانیف اور خصوصیات خطوط سے ہے۔

غلام رسول مہر نے خطوط غالب کی دو ضخیم جلدیں مرتب کی تھیں، لیکن یہ ان کی کتاب ''غالب'' (لاہور ۱۹۳۶ء) کی طرح مقبول نہ ہو سکیں۔ اغلاط کتابت و متن اس کی مقبولیت میں مزاحم ہوئیں بایں سبب اس کا مقدمہ بھی بہت زیادہ مقتبس نہیں کیا جا سکا۔

غلام رسول مہر کے بعد غالب صدی ۱۹۶۹ء تک جو مقدمات مطالعۂ غالب کو وسعت، مقبولیت اور توانائی سے ہم کنار کر سکے ان میں یہ چند قابل ذکر ہیں:

مقدمۂ دیوان غالب نسخۂ مالک رام (آزاد کتاب گھر، دہلی، اول ۱۹۵۷ء)

نسخۂ مالک رام کا متن غالب کی زندگی میں مطبوعہ نسخۂ نظامی کانپور (۱۸۶۲ء) پر مبنی ہے۔ اس میں نسخۂ حمیدیہ کا غیر متداول کلام اور تتمہ عنوان کے تحت، کچھ نو دریافت کلام بھی شامل کیا گیا ہے۔ مالک رام نے اس پر ۳۰ صفحات پر مشتمل مقدمہ بھی لکھا (ص: ۷ تا ۳۶) جس نے شیدائیان غالب کو از حد متاثر کیا۔ نتیجتاً ایک ہی سال ۱۹۵۷ء میں اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ کلام غالب سے رغبت، شغف اور شوق پیدا کرنے میں مالک رام کے اس مقدمہ کی حصہ داری کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ مقدمہ ۳۰ر مارچ ۱۹۵۷ء کا مکتوبہ ہے۔ اس طور یہ مقدمہ، دیوان غالب نسخۂ عرشی مکتوبہ یکم دسمبر ۱۹۵۸ء پر زمانی فوقیت رکھتا ہے۔ اسی نسخے

کے صدی ایڈیشن ۱۹۶۹ء پر رشید حسن خاں کے سخت تبصرے بہ عنوان ''دیوان غالب، صدی ایڈیشن'' (مشمولہ: ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ، علی گڑھ ۱۹۷۸ء) نے بھی اس کی شہرت کو دوچند کر دیا۔ رشید حسن خاں کے اس تبصرے سے مالک رام کے علمی وقار کو ضرور دھچکا لگا لیکن اس تبصرے کی اشاعت کے بعد بھی دیوان غالب نسخۂ مالک رام کی خواندگی میں کمی واقع نہیں ہوئی۔ شاید اس کی وجہ مالک رام کا سلیقۂ تالیف اور دلنشیں، شگفتہ اور رواں اسلوب تحریر تھا جو تحقیقی ہوتے ہوئے بھی تحقیق کے بوجھ سے عاری تھا۔

انجمن ترقی اردو ہند دہلی نے مولانا امتیاز علی خاں عرشی کا مرتبہ ''دیوان غالب اردو نسخۂ عرشی'' ۱۹۵۸ء میں پہلی بار شائع کیا۔ اس پر مولانا عرشی نے ۱۲۰ صفحات کا طویل مقدمہ لکھا۔ مکتوبہ یکم دسمبر ۱۹۵۸ء، جسے دیباچہ کا عنوان دیا، لیکن طبع دوم (۱۹۸۲ء) میں مزید بیس صفحات کے اضافے کے ساتھ اسے مقدمہ کا عنوان دیا۔ مکتوبہ ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء۔ یہ مقدمہ ۸۳ ذیلی سرخیوں کے تحت غالب کی شعری شخصیت: آغاز شاعری، رویۂ شاعری، تتبع شاعری، موضوعاتِ شاعری، کل اردو سرمایۂ شاعری (۴۸ ذیلی عنوانات) اور تدوین متن کے اصول و طریقۂ کار (۳۵ ذیلی عنوانات) پر بسیط، عالمانہ، محققانہ، ناقدانہ اور بنیادی و اصولی گفتگو کرتا ہے۔ تصانیف غالب پر اب تک جو مقدمات لکھے گئے ان میں یہ مقدمہ تحقیق، تدوین، تنقید، املا، رموزِ اوقاف، اصول تحقیق و تدوین، اخلاقیات تحقیق اور شگفتہ زبان و بیان ہر لحاظ سے فوقیت رکھتا ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ تنقید میں جو حیثیت مولانا حالی کے مقدمہ ''شعر و شاعری'' کو حاصل ہے۔ تدوین متن میں وہی اہمیت مولانا عرشی کے مقدمہ کو دی جاتی ہے۔ جس طرح حالی کا مقدمہ اردو تنقید کا منشور بن چکا ہے، بعینہ اردو محققین کے نزدیک مولانا عرشی کا مقدمہ تدوین متن کی شریعت میں ایک صحیفہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

مولانا عرشی نے غالب کے دیوان فارسی کی تدوین کا بھی بیڑا اٹھایا تھا مگر بہ وجوہ یہ کام مکمل نہیں ہو سکا۔ اس کے مقدمہ کے مباحث کا وہ حصہ جس میں کلام فارسی کی تدوین و طباعت زیر بحث آئی ہے انھوں نے بہ عنوان: ''مقدمہ دیوان غالب فارسی (نسخۂ عرشی) کے چند اوراق'' شائع کرا دیا تھا (ماہنامہ 'شاعر' بمبئی، غالب نمبر، فروری-مارچ ۱۹۶۹ء) یہ مقدمہ امتیاز علی عرشی کی غالب شناسی مرتبہ ثاقب عمران (ناشر رضا لائبریری رامپور ۲۰۱۸ء) میں دیکھا جا سکتا ہے۔

غالب صدی کے دوران ۱۹۶۹ء اور اس کے بعد تصانیف غالب کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ بعض خطی نسخے مثلاً ''دیوان غالب بخط غالب'' اور ''گلِ رعنا مع آشتی نامہ''، ''نامہ ہائے فارسی غالب'' کی دریافت اور ان کی متعدد اشاعتیں؛ غالب کے دوسرے خطی نسخوں کی عکسی وتدوینی اشاعتیں وغیرہ وغیرہ کو بھی اگر شامل کرلیا جائے تو میں اپنے ہدف ''مقدمۂ غالب کے خطوط'' تک پہنچنے میں ناکام رہوں گا۔

میرا خیال ہے کہ غالب پر تحقیقی مقدمہ نگاری کے ارتقائی سفر کو سمجھنے کے لیے مذکورہ بالا مختصر روداد کافی ہے۔ غالب صدی کے بعد لکھے جانے والے مقدمات کے لیے علاحدہ مقالہ لکھنے کی کوشش کی جائے گی۔ راقم الحروف نے ۲۰۱۹ء میں ''غالب صدی کے بعد دیوان غالب کی قابل ذکر اشاعتیں'' عنوان سے ایک مقالہ لکھا تھا، جس میں کم وبیش درجن بھر دیوان غالب کی اشاعتیں زیر تحریر آئی تھیں۔ (مطبوعہ: اردو دنیا، دہلی، جولائی ۲۰۱۹ء) تاہم اس دوران لکھے جانے والے دو تین مقدمات کا ذکر کردینا ضروری سمجھتا ہوں، جنھوں نے تفہیم کلام غالب، تحقیق غالب اور تدوین غالب کے امکانات کو روشن کیا اور انھیں نئی جہتوں سے روشناس کرایا۔ میری مراد ''دیوان غالب بخط غالب نسخۂ عرشی زادہ'' (دہلی ستمبر ۱۹۶۹ء) پر اکبر علی خاں عرشی زادہ (ف ۱۹۹۷ء) کے ۲۰ صفحات پر مشتمل مقدمہ سے ہے (ص: ۱۲ تا ۳۱) جس نے ''بیاض غالب بخط غالب'' کی بحث کو فیصلہ کن شکل دی، اسی طرح سید قدرت نقوی (ف ۲۰۰۰ء) کا مرتبہ ''گل رعنا مع آشتی نامہ'' (کراچی ۱۹۷۵ء) کا مقدمہ جو ۵۹ صفحات پر مشتمل ہے جو گل رعنا اور اس سے متعلق جملہ دستیاب نسخوں کے حوالے سے حتمی تحقیق پیش کرتا ہے۔

کالی داس گپتا رضا، مالک رام کی طرح دوسرے ماہر غالبیات ہیں۔ مالک رام مولانا امتیاز علی خاں عرشی اور کالی داس گپتا رضا، تینوں نے دیوان غالب کی تدوین کی ہے۔ کالی داس گپتا رضا کا ''دیوان غالب کامل نسخۂ رضا تاریخی ترتیب سے'' (بمبئی اول ۱۹۸۸ء) نسخۂ عرشی کی طرح بڑا کارنامہ ہے،۔ اس کا مقدمہ ۱۱۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ (بار دوم ص: ۵ تا ۱۲۸) جس میں کلام غالب کی تاریخی ترتیب اور اس کے اطراف ومتعلقات پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ زیر نظر ذیلی عنوانات سے مقدمہ کی اہمیت کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

کلام غالب کی تاریخی ترتیب کیوں، تعارف، غالب کا اولین اردو منظوم کلام، عمدۂ منتخبہ میں ذکر غالب، حرف

نامعتبر، غالب کے بعض غیر متداول اشعار کا زمانۂ فکر، غالب کے کچھ ہنگامی مصرعے اور شعر، دیوان غالب طبع اول، غالب کی زندگی میں دیوان غالب کی اشاعت، توقیت غالب۔

مولانا عرشی کے مقدمہ کے بعد اس مقدمہ کا مطالعہ بھی ناگزیر ہے۔ یہ کلام غالب کے تاریخی تسلسل کو سمجھنے میں پوری طرح معاون ہوتا ہے۔

غالب جس مشکل پسندی کے لیے مشہور ہیں اس میں علاوہ مضمون کی پیچیدگی ان کی وضع کردہ تراکیب لفظی کا بھی بڑا دخل ہے۔ رشید حسن خاں نے ان کے دیوان اردو کا لفظی اشاریہ بنا کر یہ ثابت کر دیا کہ غالب کا یہ دعویٰ سو فیصد درست ہے کہ:

گنجینہ معنی کا طلسم اس کو سمجھیے

جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آئے

یہ اشاریہ باسم ''گنجینۂ معنی کا طلسم'' تین جلدوں میں غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی سے شائع ہوا۔ اس کی جلد اول مطبوعہ ۲۰۱۷ء پر ۲۲ صفحات کا مقدمہ ہے (۸تا۳۰) مکتوبہ ۱۶اپریل ۲۰۰۵ء۔ مقدمہ کے آٹھ ذیلی عنوانات ہیں: بنیادی ماخذ، املا، ترتیب الفاظ، بہ سلسلۂ مرکبات، چند وضاحتیں، استثنا، غیر معتبر کلام۔

غالب کے اردو دیوان میں کتنے مفرد اور کتنے مرکب لفظ ہیں اور یہ اپنے استعمال سے کن معنوی جہتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، ایک ہی لفظ کے مختلف مرکب شعر میں کن معنوی وسعتوں اور شعری رنگارنگیوں کا مظاہرہ کرتے ہیں، ان کی استعمال کی نوعیت کیا ہے اور ان کو غالب نے کب کہاں، کتنی بار کس شعر میں استعمال کیا ہے؛ ان تمام باتوں کو مقدمہ میں مع صراحت وضاحت پیش کرتے ہوئے اس سلسلے کے بنیادی ماخذ، اشاریہ اور الفاظ کی ترتیب کے طریقۂ کار، املا، او قاف وغیرہ پر گفتگو کی گئی ہے۔

یہ مقدمہ عالمانہ بصیرت کا ثبوت پیش کرتا ہے اور لفظیات غالب پر ایک ایسا انفرادی محاکمہ پیش کرتا ہے جو محققین سے زیادہ ناقدوں کے لیے مفید مطلب ہے۔

]۴[

ڈاکٹر خلیق انجم (ف ۲۰۱۶ء) ہمارے دور کے معروف غالب شناس ہیں۔ انھوں نے غالب سے اپنی دلچسپی اور شغف کا اظہار ۱۹۶۱ء میں ''غالب کی نادر تحریریں'' مرتب کر کے دیا، ۱۹۷۴ء میں ان کی دوسری کتاب ''غالب اور شاہانِ تیموریہ'' آئی۔ ۱۹۸۴ء میں ''غالب کے خطوط'' جلد اول کی اشاعت ہوئی۔ ۱۹۹۱ء میں ''غالب کچھ مضامین'' اور ۲۰۰۵ء میں ''غالب کا سفر کلکتہ اور کلکتے کا ادبی معرکہ'' شائع ہوئی۔ اپنے موضوع کے لحاظ سے (بہ استثنا غالب کچھ مضامین) یہ کتابیں منفرد ہیں۔ خصوصاً ''غالب کے خطوط'' نے کلیات خطوط غالب کی حیثیت حاصل کر کے خطوط غالب کے دستیاب جملہ مجموعوں سے بے نیاز کر دیا ہے۔

یوں تو خلیق انجم نے ''غالب کی نادر تحریریں'' کتاب پر بھی تقریباً بیس صفحات کا مقدمہ لکھا تھا، لیکن غالب کے خطوط جلد اول پر جو مقدمہ لکھا ہے وہ اپنی ضخامت اور موضوع کی وسعت کے لحاظ سے خطوط غالب کا بھرپور تحقیقی و تنقیدی جائزہ پیش کرتا ہے۔

غالب کے خطوط جلد اول، طبع ثانی (مطبوعہ غالب انسٹی ٹیوٹ، دہلی ۱۹۹۳ء) پیش نظر ہے۔ مرتب نے اس میں حرف آغاز (طبع اول و دوم) کے بعد مقدمہ بہ عنوان: ''کچھ اس تنقیدی ایڈیشن کے بارے میں'' (ص ۱۳ تا ۱۲۸) شامل کیا ہے۔ یہ مقدمہ ۲۱۶ صفحات کو محیط ہے۔ مولانا عرشی کی طرح خلیق انجم نے اسے کوئی اصطلاحی عنوان: دیباچہ، تمہید، پیش لفظ، پیش گفتار وغیرہ نہیں دیا۔ جو عنوان دیا ہے، وہ طوالت تحریر اور وسعت معلومات کے لحاظ سے لفظ 'کچھ' کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ بایں سبب راقم الحروف نے اسے مقدمہ کی صورت میں قبول کرتے ہوئے اپنے مطالعے کا حصہ بنالیا۔

یوں تو تدوین متن سے متعلق جملہ کتب پر تحقیقی مقدمہ ہی لکھا جاتا ہے لیکن مرتب نے اس کے دو حصے کیے ہیں: پہلا تحقیقی اور دوسرا تنقیدی۔ دوسرے حصے کو انھوں نے مستقل ایک عنوان: ''خطوط غالب کا تنقیدی مطالعہ'' دیا ہے۔ مقدمہ کو جن ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا ہے ان پر نظر ڈالنے سے مقدمہ کی نوعیت و کیفیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

l تحقیقی حصہ: کچھ اس تنقیدی ایڈیشن کے بارے میں (۱۳تا ۲۲) خطوط غالب کے مختلف ایڈیشن اور ری پرنٹ (۲۳تا۵۹) غالب کی اردو املا کی خصوصیات (۶۰تا۷۶) غالب کی زبان پر فارسی کے اثرات، انگریزی الفاظ کا استعمال (۷۷تا۹۲) غالب کے اردو خطوط کی مجموعی تعداد (۹۳تا۹۷) یہ حصہ ۸۹ صفحات کو محیط ہے۔

l خطوط غالب کا تنقیدی مطالعہ: غالب سے قبل اردو کا نثری سرمایہ اور اردو مکتوب نگاری کا آغاز (۱۰۱تا۱۳۶) غالب کا پہلا دستیاب اردو خط (۱۲۳-۱۷۷) مکتوب نگاری کا فن (۱۲۴تا۱۳۶) شگفتن گل ہائے ناز (۱۳۷-۱۷۱) بنتی نہیں ہے بادہ وساغر کہے بغیر (۲۲۸-۱۷۲)

یہ وہ عنوانات ہیں جو مقدمہ میں علاحدہ علاحدہ جلی سرخی کے طور پر لکھے گئے ہیں۔ ہر عنوان کی متعدد ذیلی سرخیاں ہیں۔ ان سرخیوں کی مدد سے یہ مقدمہ خطوط غالب اور اس کے متعلقات، تدوین سے متعلق جملہ معاملات کو صراحت ووضاحت کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ البتہ مقدمہ نگار تدوین متن کے اس اصول سے انحراف کرتا نظر آتا ہے جس کے تحت مقدمہ نگار کو تنقیدی بحث سے گریز کرنا چاہیے۔ تنقید سے متعلق یہ حصہ تحقیقی حصے سے قدرے طویل یعنی ۱۲۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ عنوانات کے بموجب مقدمہ میں متعدد مباحث ہیں یہاں صرف دو تین اہم مباحث اور نکات کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔

خلیق انجم نے اپنے اس مقدمہ میں غالب کے اُن ۲۱ اہم مجموعہ ہائے خطوط کا تعارف پیش کیا جو ان کی ترتیب وتدوین سے قبل مرتب ومدون ہو چکے تھے۔ اس تعارف میں انھوں نے بعض نسخوں (مکاتیب غالب، خطوط غالب، نادرات غالب وغیرہ) کی تعریف وتحسین کی ہے لیکن دوسرے مجموعوں کی ترتیب کے نقائص کی طرف بہ دلائل متوجہ کیا ہے۔ اس دوران تدوین کے وہ اصول بھی زیر بحث آئے ہیں جنھیں مرتبین اپنے اپنے مرتبات میں بروے کار نہیں لا سکے اور املا سے متعلق یہ بحث بھی زیر گفتگو آئی کہ ترتیب کے دوران جدید املا یا وہ املا جو مصنف کے متن میں اختیار کیا گیا، کون سا قابل ترجیح ہے؟ وہ لکھتے ہیں:

''میں اس حق میں ہوں کہ متن کی املا جدید ہونی چاہیے کیوں کہ اول تو ہم متن اپنے عہد کے لوگوں کے لیے تیار کر رہے ہیں اور دوسرے یہ کہ تنقید نگار کا مقصد متن کی بازیافت ہے، املا کی بازیافت ہرگز نہیں۔'' (ص:۱۹)

خطوط غالب کے حوالے سے چند تنقیدی مفروضات کا بھی انھوں نے بہ دلائل رد کیا ہے۔ مثلاً یہ بیانات دیکھیے:

''غالب جدید اردو نثر کے موجد ہر گز نہیں تھے کیوں کہ ان کی نثر نگاری کے آغاز سے تقریباً پچاس سال قبل اردو نثر جدیدیت کے راستے پر گامزن ہو چکی تھی۔''(ص:۱۰۸)

''جوش عقیدت میں ہمارے بہت سے ناقدین نے اردو مکتوب نگاری کا موجد غالب کو قرار دے کر مکتوب نگاری کی تاریخ ہی غالب سے شروع کر دی۔''(ص:۱۰۹)

ان مفروضات پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''یہ بھی ایک اہم مسئلہ ہے کہ اردو مکتوب نگاری میں کس نے پہلی بار طرز جدید کو اختیار کیا؟ (ص:۱۰۹)

اس سلسلے میں وہ ماسٹر رام چندر (ف ۱۸۸۰ء) کا مکتوب نگاری سے متعلق ایک ہدایتی نوٹ اور ''پنج آہنگ'' کے آہنگ اول سے غالب کے اصول مکتوب نگاری پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جدید طرز پر مکتوب نگاری کے آغاز کا سہرا نہ تو ماسٹر رام چندر کے سر باندھا جا سکتا ہے اور نہ غالب کے سر... طرز جدید کا شعور عام ہو چکا تھا... لیکن غالب کے خطوط اردو مکتوب نگاری کا بیش قیمت سرمایہ ہیں۔''(ص:۱۰۹)

انھوں نے غالب کی املا پر بھی طویل گفتگو کی ہے۔ اس سلسلے کے ان کے یہ مختصر بیانات قابل ذکر ہیں:

''دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے جس کے تمام الفاظ ٹھیک اسی طرح لکھے جاتے ہیں جس طرح ان کا تلفظ ادا کیا جاتا ہے۔''(ص:۶۰)

عہد غالب میں اردو املا کے مسائل پر سنجیدگی سے غور کیا جانے لگا اور اردو املا میں سب سے زیادہ تبدیلیاں اسی عہد میں رونما ہوئیں۔''(ص:۶۱)

’’غالب کی اردو تحریروں میں پرانی املا بھی ملتی ہے اور وہ تبدیلیاں بھی نظر آتی ہیں جو اس عہد کے املا میں ہو رہی تھیں۔‘‘(ص:۶۲)

غالب نے بعض الفاظ کی املا اپنے عہد کے رائج املا سے اس طرح مختلف کی ہے کہ ہم اسے غلط املا کہنے پر مجبور ہیں۔‘‘(ص:۷۵)

خطوط غالب کی مجموعی تعداد پر بھی انھوں نے مقدمہ میں گفتگو کی ہے۔ طبع اول ۱۹۸۴ ئمیں درج کردہ تعداد خطوط کو کالعدم قرار دیتے ہوئے انھوںنے ۹۲ مکتوب الیہم (جن میں پانچ نامعلوم ہیں) کے نام ۸۸۶ خطوط کی نشاندہی کی ہے (ص:۹۷) لیکن یہ تعداد غالب کے خطوط جلد ۵ مطبوعہ دہلی ۲۰۰۰ء میں ۸۹۴ ہو گئی ہے (ص:۱۶۵) یعنی آٹھ خطوط کا مزید اضافہ ہوا۔ ڈاکٹر کاظم علی خاں (ف ۲۰۱۲ء) نے اپنی کتاب توقیت غالب (دہلی ۱۹۹۹ء) میں اکتوبر ۱۹۹۴ء تک دستیاب خطوط کی تعداد ۸۹۲ دی تھی۔

غالب نے پہلا اردو خط کب لکھا؟ اس پر مختلف آرا ہیں۔ خلیق انجم نے اس سلسلے میں محتاط رویہ اختیار کرتے ہوئے لکھا ہے:

غالب کے پہلے اردو خط کی نشاندہی کرنا کسی طرح ممکن نہیں، البتہ غالب کے اس پہلے اردو خط کی نشاندہی کی جاسکتی ہے جو ہمیں دستیاب ہوا ہے۔(ص:۱۱۸)

اس سلسلے میں انھوں نے تین خطوط کی نشاندہی کی ہے:

خط بنام ہر گوپال تفتہ، مکتوبہ اگست ۱۸۴۹ء، نشان دہندہ مولوی مہیش پرشاد

خط بنام جواہر سنگھ جوہر، مکتوبہ یکم دسمبر ۱۸۴۸ء، نشان دہندہ مولوی غلام رسول مہر

خط بنام ہر گوپال تفتہ، مکتوبہ اوائل ۱۸۴۷ء، نشان دہندہ، خلیق انجم

نہ جانے کیوں ڈاکٹر خلیق انجم نے منشی نبی بخش حقیر اکبرآبادی (ف ۱۸۶۰ء)، تلمیذ غالب کے نام غالب کے خط مکتوبہ ۹، مارچ ۱۸۴۸ء کا ذکر نہیں کیا، جو نادرات غالب از آفاق حسین آفاق (کراچی ۱۹۴۹ء، حصہ دوم، ص:۲) میں شامل ہے۔ ایسا بھی نہیں کہ وہ اس مجموعۂ خطوط سے واقف نہیں تھے۔ انھوں نے مقدمہ

میں مجموعہ ہائے خطوط غالب کے ضمن میں اس کا تعارف بھی کرایا ہے (ص: ۵۱) غالباً یہ خط سہواً ان کی نظر سے نہیں گزر سکا۔ ڈاکٹر کاظم علی خاں نے اپنی کتاب توقیت غالب میں منشی نبی بخش حقیر کے نام اسی خط مکتوبہ ۹ر مارچ ۱۸۴۸ء کو غالب کا پہلا اردو خط قرار دیا ہے (ص: ۷۲) ظاہر ہے اس سلسلے میں خلیق انجم نے حتمی رائے دینے سے گریز کیا ہے۔

تنقیدی حصے میں انھوں نے غالب کے خطوط کی وہ خصوصیات بیان کی ہیں جن سے عام طور پر سبھی متعارف ہیں۔ یعنی خطوط کی علمی وادبی حیثیت، ان کا اچھوتا اسلوب وغیرہ جس سے ہم صرف نظر کرتے ہیں۔

اس مقدمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ ادب کا ایک عام طالب علم اور اسکالر دونوں، بیک وقت خطوط غالب کی جمع آوری کی روداد، (از اول تا ایں دم)، مشکلات، اختلافات، جملہ اہم مجموعہ ہائے خطوط اور ان کی متعدد اہم اشاعتیں، جملہ دستیاب خطوط کے عکس، خطوط کی تاریخیں، املا، رقمیں، بنیادی نسخے، خطوط کے جملہ مآخذ، جملہ خطوط اور مکتوب الیہم کی تعداد، خطوط کی علمی وادبی حیثیت اور اسلوب کی رنگارنگی سے واقف ہو جاتے ہیں۔

کسی بھی بڑے تحقیقی وتدوینی کام میں اغلاط وتسامحات کا راہ پاجانا، یا ایسے پہلوؤں کا ذکر آجانا جن سے اختلاف کرنے کی معقول وجوہ موجود ہوں کو غیر فطری نہیں کہا جاسکتا۔ خلیق انجم نے بڑا کام کیا۔ ان کے پیش نظر تدوین متن کے اصول بھی تھے اور ان سے اعتنانہ کرنے کی مثالیں بھی۔ اردو میں تدوین متن کے اصول اور طریقہ کار پر پہلی کتاب (متنی تنقید، مطبوعہ عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی ۱۹۶۷ء) کے وہی مصنف بھی تھے، لیکن خطوط غالب کی تدوین کے دوران انتہائی محتاط رہتے ہوئے بھی وہ ان تسامحات کا شکار ہو گئے جن پر وہ اپنے پیش رو مرتبین خطوط غالب کی سخت گرفت کر چکے تھے۔

پروفیسر حنیف نقوی (ف ۲۰۱۲ء) نے جلد اول پر تین قسطوں میں بہ عنوان: ''غالب کے خطوط ایک جائزہ'' طویل تبصرہ کیا ہے۔ (ڈیمائی سائز کے ۹۱ صفحات) جس میں بیشتر موضوع بحث مقدمہ اور اس میں شامل خطوط کے اقتباسات رہے ہیں۔ انھوں نے عود ہندی اور اردوے معلی کے مختلف ایڈیشنوں کے کتابی کوائف کے اندراجات سے اختلاف، اردو املا سے متعلق بحث اور نثر غالب پر فارسی زبان کے اثرات کے تحت غالب کے یہاں لفظوں کے استعمال کی نوعیت، مواقع اور اعداد وشمار سے متعلق خلیق انجم کے متعدد

نتائج اور دعوؤں کا بہ دلائل رد کیا ہے۔ یہ طویل تبصرہ ایک مقالے کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ اترپردیش اردو اکیڈمی لکھنؤ کے دوماہی آرگن ''اکادمی'' میں تین قسطوں میں شائع ہوا تھا۔ قسط اول ستمبر-اکتوبر ۱۹۸۶ء، دوم نومبر-دسمبر ۱۹۸۶ء، سوم جنوری-فروری ۱۹۸۷ء۔

اسے اتفاق کہیے کہ 'اکادمی' لکھنؤ (جولائی، اگست ۱۹۸۶ء) کے شمارے میں حنیف نقوی کا ایک اور تبصرہ بہ عنوان ''تلامذۂ غالب (طبع ثانی) پر ایک نظر'' شائع ہوا تھا جس میں تلامذۂ غالب (دوم ۱۹۸۴ء) کے بعض تسامحات کی نشاندہی کی گئی تھی۔ خلیق انجم نے موقع غنیمت جانا اور اپنے اختلاف وانتقام کو منجانب مالک رام کر دیا جبکہ مالک رام اسی ایڈیشن میں حنیف نقوی کے تعاون کا اعتراف کر چکے تھے۔ خلیق انجم نے ماہنامہ شانِ ہند دہلی کے مدیر سرور تونسوی کے قلم سے ایک تحریر نومبر ۱۹۸۶ء کے شمارے میں شائع کرائی جس کا عنوان تھا: اردو کے ہندو ادیبوں کے خلاف منظم سازش (حنیف نقوی نامی ایک شخص کی دریدہ دہنی) اس مضمون میں حنیف نقوی کے اس عمل کو سستی شہرت حاصل کرنے، بزرگوں کی ٹوپی اچھالنے، غنڈہ گردی اور ادبی سازش سے تعبیر کیا ہے۔ آخر میں لکھا ہے:

'' آخر میں ایک بات اور کہنا چاہتے ہیں کہ اکادمی ایک سرکاری ادارے کا رسالہ ہے۔ اس میں کسی بھی قیمت پر غنڈہ گردی اور شرفا کی ٹوپی اچھالنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ ہم اترپردیش کے گورنر، وزیر اعلیٰ و وزیر تعلیم اور دوسرے ذمہ داروں کو خطوط لکھ کر اس ادبی غنڈہ گردی کی طرف ان کی توجہ مبذول کرا رہے ہیں۔'' (ص: ۷)

اس غیر علمی اور غیر شائستہ زبان کے حنیف نقوی متحمل نہیں ہو سکے، بعض بزرگوں کی مداخلت کے سبب انھوں نے غالب کے خطوط کی دوسری جلدوں پر لکھنے سے اجتناب کیا۔

پروفیسر نذیر احمد (ف ۲۰۰۸ء) نے بھی ایک مقالے میں ''غالب کے خطوط'' میں درآئے بعض فارسی اشعار کے صحیح متن اور تخریج پر گفتگو کی تھی۔ یہ بڑا معلومات افزا مقالہ تھا۔ افسوس اس وقت اس کا حوالہ دینے سے قاصر ہوں۔

اس طور یہ کہا جاسکتا ہے کہ خطوط غالب پر خلیق انجم کا مقدمہ حرف آخر نہیں، ہاں یہ خطوط پر اب تک لکھے جانے والے مقدمات میں زیادہ مفصل، خطوط غالب اور ان کی تدوین کے جملہ مسائل پر حاوی ہے۔ حنیف نقوی و پروفیسر نذیر احمد کے اعتراضات واصلاحات کے باوجود اس کی تاریخی حیثیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

حواشی:

)۱(حقیقت یہ ہے کہ یہ تعداد پچھتر کے قریب جا پہنچی ہے۔ مقدمات عبدالحق کے مرتب ڈاکٹر عبادت بریلوی ان کی تلاش سے قاصر رہے۔ ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب (علی گڑھ) نے ان مقدمات کو ڈھونڈ نکالا اور وہ انھیں مرتب کر رہے ہیں۔

)۲(نمعلوم کیوں، مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگ قلم کار دیباچہ کی جگہ لفظ مقدمہ کا استعمال درست نہیں سمجھتے تھے۔ اس کی چار مثالیں مولانا عرشی کے مرتبات میں ملتی ہیں:

)۱(مکاتیب غالب، مطبوعہ ۱۹۳۷ء، دیباچہ ۱۷۳، صفحات (۱۸۳-۱۱)

)۲(انتخاب غالب، مطبوعہ ۱۹۴۲ء، دیباچہ ۳۱، صفحات (۴۰-۱۰)

)۳(فرہنگ غالب، مطبوعہ ۱۹۴۷ء، دیباچہ ۱۹، صفحات (۲۷-۸)

)۴(دیوان غالب، مطبوعہ ۱۹۵۸ء، دیباچہ ۱۲۰، صفحات (۱۲۰-۱)

حالانکہ یہ دیباچے تدوینات پر لکھے جانے والے مقدمات ہی کے مماثل ہیں، انھیں مقدمہ کہنا اور لکھنا کسی طور بھی غلط نہیں ہوگا۔ جن لوگوں نے مذکورہ بالا دیباچوں کے بیانات کو نقل کیا ہے یا ان کا حوالہ دیا ہے، انھوں نے دیباچہ کی جگہ لفظ مقدمہ ہی کا اندراج کیا ہے۔ ڈاکٹر خالد مبشر نے اپنی کتاب مقدماتی ادب (دہلی ۲۰۱۹ء) میں اس مسئلے پر گفتگو کی ہے اور لفظ دیباچہ، پیش لفظ، تقریب، تعارف وغیرہ کو مقدمہ کا مترادف قرار دیا ہے (ص ۷۵ تا ۱۱۲)

)۳(ان قسطوں کی تلاش ایک عرصہ سے تھی۔ نقوی صاحب کی حیات میں کئی بار ان سے ان قسطوں کے عکس حاصل کرنے کی کوشش کی گئی مگر انھوں نے اس فرمائش کو ہمیشہ نظرانداز کر دیا۔ جناب محسن خان (لکھنؤ) کا شکر گزار ہوں کہ ان کی کوشش سے اکادمی کی لائبریری سے یہ عکس حاصل ہوئے۔

***